www.rahimia.org

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

دسمبر 2025ء / جمادی الاخریٰ ۱۴۴۷ھ

جلد نمبر 17، شمارہ نمبر 12 قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبرشپ: 350 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- مسجد الحرام کی طرف قبلہ کا واضح حکم
- بہترین ہجرت
- ملتِ حنفی ابراہیمی کے پیروکار حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ
- ہائبرڈ نظام اور آئینی آمریت؛ پاکستان کا سیاسی مخمصہ
- ''قلب'' سے متعلق ''مقامات''
- سلطنتِ عثمانیہ کے ساتویں حکمران؛ فاتحِ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح
- لوٹ مار کی ایک اَور داستان
- عالمی طاقتوں کی نئی بساط
- حسنۃ فی الدنیا وفی الآخرۃ کا دینی تصور
- دنیا کی کامیابی کی بنیاد؛ معاہدات کی پاسداری
- معاہدات پورے کرنے والے رجال اللہ کی روشن تاریخ
- حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی قومی تحریکِ آزادی
- حضرت مولانا شیخ عبدالمجید امجد سندھیؒ
- تقریب رونمائی کتاب ''دارالعلوم دیوبند''
- دینی مسائل

ارشاداتِ گرامی

حضرت اقدس مولانا

شاہ عبدالقادر

رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(حضرت رائے پوری ثانیؒ کے متوسل) ماسٹر منظور محمد صاحبؒ نے حضرت والاؒ سے دریافت کیا کہ: حضرت! ہمارے ہاں تبلیغ کے سلسلے میں (مقامی) چودھریوں نے اعلان کر دیا ہے کہ: بے نمازیوں پر جرمانہ کیا جائے (تو کیا یہ مناسب ہے؟)

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''یہ (کام) نہ کرنا (کیوں کہ اس طرح کے فیصلے حکومتی اختیار سے تعلق رکھتے ہیں، قرآن پاک میں ہے:) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (2 - البقرہ: 256) (دین میں جبر نہیں ہے، ہدایت' گمراہی سے واضح ہو چکی ہے)۔ بس (لوگوں کو) سمجھاتے بجھاتے اور نرمی و محبت سے (نماز اور دیگر نیکیوں کی طرف راغب کرنے کی) کوشش کرتے رہو اور اپنے آپ کو (حکومت کا مقرر کردہ) مبلغ مت سمجھو''۔

(۷ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/۲ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ بروز: سوموار۔ مقام: لدھیانہ)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 236، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

www.rahimia.org

مسجد الحرام کی طرف قبلہ کا واضح حکم

گزشتہ آیت (2-البقرہ:143) میں قبلہ کی تبدیلی کے اَغراض و مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ اس آیت (2-البقرہ:144) میں مسجد الحرام کی طرف رُخ کر کے اپنی تمام عبادات اور سرگرمیوں کو مربوط بنانے کا باقاعدہ حکم دے دیا گیا ہے اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس بات کا علم یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی ہے، پھر بھی وہ محض ضد بازی سے قبلے کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے ہیں۔ ان کی پرواہ نہ کی جائے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ (بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اُٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف): اس آیت کا شانِ نُزول بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں: ''چوں کہ آپ ﷺ کا اصلی قبلہ اور آپؐ کے کمالات کے مناسب خانۂ کعبہ تھا اور سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا بھی قبلہ وہی تھا، ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی' شریعت میں ہمارے مخالف اور ملتِ ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ان وُجوہ سے جس زمانے میں آپؐ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو دل یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آ جائے اور اس شوق میں آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر ہر طرف کو دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاتا ہو۔ اس پر یہ آیت اُتری اور استقبالِ کعبہ کا حکم آ گیا''۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم طور پر نافذ کیا اور پہلے قبلہ کے سلسلے میں سب سے بہترین مصلحت کی موافقت اور قوانینِ تشریع سے مطابقت کے تقاضے کو آپؐ کے دل میں ڈالا۔ چناں چہ آپؐ خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کرنے کی ہمیشہ تمنا کرتے رہے اور بار بار آپ کا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھتا تھا، اس اُمید میں کہ شاید جبرائیل یہ حکم لے کر نازل ہوں۔ پھر اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ واضح حکم جاری فرما دیا''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ (سو! البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو، جس قبلہ کی طرف تو راضی ہو): بیت اللہ الحرام کا قبلہ ایسا ہے کہ جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے پر آپ ﷺ کا قلب انتہائی خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ جگہ حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد کا ہمیشہ سے مسکن رہا ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کا یہ آبائی وطن ہے۔ انبیا علیہم السلام کے اس آبائی وطن کی پاک باز مٹی کے ساتھ آپ ﷺ کا جسم مبارک گندھا ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے وقت ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! بلاشبہ تُو اللہ کی سرزمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کی زمینوں میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب سرزمین ہے، اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا''۔ (جامع ترمذی:3925)

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ (اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے): اس آیت میں باقاعدہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اپنے چہرے کو مسجد الحرام کی طرف رُخ کریں اور اسے قبلہ بنائیں۔ مسجد الحرام کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں: ''یعنی: کعبہ کی طرف، اور اس کو مسجد الحرام اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں مقاتلہ کرنا اور شکار کرنا جانوروں کا اور درخت اور گھاس کا کاٹنا وغیرہ اُمور حرام ہیں اور کسی مسجد کی اتنی حرمت و عزت نہیں جس قدر مسجد الحرام کی حرمت ہے۔ جب تحویلِ قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپؐ باجماعت مسجدِ بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے۔ نماز ہی میں آپؐ نے اور سب مقتدیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں۔ اس مسجد کا نام ''مسجدُ القِبلَتَین'' اور ''ذُو قِبلَتَین'' ہو گیا، یعنی: دو قبلہ والی''۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ (اور جس جگہ تم ہوا کرو، پھیرو منہ اسی طرف): مسلمان پورے کرۂ ارض میں جہاں بھی ہیں، انھیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں اور اُسے اپنا قبلہ بنائیں۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''یعنی: حضر میں یا سفر میں، مدینہ میں یا دوسرے شہر میں، جنگل میں یا دریا میں، یا خود بیت المقدس میں، جہاں کہیں ہو، کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو''۔ فقہا نے لکھا ہے کہ خانۂ کعبہ پر نگاہ پڑ رہی ہو تو عینِ قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر اُس پر نظر نہ پڑ رہی ہو اور دنیا بھر میں جہاں بھی ہو تو جہتِ قبلہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (اور جن کو ملی ہے کتاب' البتہ جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے، اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں): قبلہ کی تبدیلی کے سلسلے میں یہودی جو اعتراضات کرتے ہیں، ان کی پرواہ بالکل نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں: ''یعنی: اہلِ کتاب جو تحویلِ قبلہ کی نسبت اعتراض کریں، اس کی ہرگز پرواہ نہ کرنا، کیوں کہ ان کو کتاب (تورات) سے معلوم ہے کہ پیغمبرِ آخر الزماںؐ بیت المقدس کی طرف کچھ دنوں نماز پڑھیں گے اور آخر کو کعبہ کی طرف (رُخ کر کے نماز) پڑھیں گے۔ اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ اصلی اور دائمی قبلہ ان کا ملتِ ابراہیمی کے موافق ہوگا، اس لیے اس تحویلِ قبلہ کو وہ بھی حق سمجھتے ہیں۔ محض حسد سے جو چاہیں، کہیں، سو! حق تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب جانتا ہے، جس کا نتیجہ ان کو ایک دن معلوم ہو جائے گا''۔ اس آیت 144 میں مسجد الحرام کو مسلمانوں کے لیے تعلیم و تربیت کا مرکز قرار دے دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کے عالم گیر قوانین کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے جماعتِ صحابہؓ کی تعلیم و تربیت کا مرکز قرار دیا جانا ضروری ہے کہ وہ مرکزِ اَمن مکہ مکرمہ کے ساتھ اپنے دلی تعلق کو مضبوط کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امامِ انسانیت کی حیثیت سے انسانوں کی ترقی کا جو پروگرام پیش کیا ہے، اُس پر صدقِ دل کے ساتھ عمل کریں۔ ابراہیمی اُصولوں کا بیان سورت الانعام کے آخر میں تفصیل سے واضح کر دیا گیا ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

بہترین ہجرت

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَؓ قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ ﷺ: ”أَنْ تَهْجُرَ ما كَرِهَ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ“. (مسند احمد، 19655)

(حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سی ہجرت بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”تو اس چیز کو چھوڑ دے، جسے تیرا رَب ناپسند کرتا ہے“۔)

”ہجرت“ کا ایک معروف معنی ہے کہ دین کے غلبے، دین پر عمل کرنے کے لیے آپ اپنا وطن چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں آپ دین پر عمل کر سکیں۔ اس معنی کے لحاظ سے ہجرت بہت مشکل، لیکن بہت بڑے اَجر کا ذریعہ ہے۔ انسان اپنا تعارف، سماجی شناخت اور سیاسی قوت ختم کر کے نئی جگہ پر از سرِ نو زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ تاہم زیرِ نظر حدیثِ مبارک میں نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کا ایک اَور معنی بیان کیا کہ: ”آپ ان کاموں کو چھوڑ دو جو اللہ کو ناپسند ہیں“۔ اس کے دو دائرے ہیں: ایک ایسے کام جن کا خالص اللہ کے ساتھ تعلق ہے، اگر انسان ایسے کام کرے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نظر انداز کرے اور خدا کی نافرمانی کا مرتکب ہو تو ربّ کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ یہ اس غلطی سے باز آجائے۔ اگر کبھی سزا دیتے ہیں تو اس کی اِصلاح کے لیے دیتے ہیں۔ انسانوں پر اللہ کا عذاب، حکمت اور رحمت و شفقت کے اُصول پر ہوتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی بچہ سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھتا تو ماں باپ اسے کبھی مناسب سزا دے دیتے ہیں۔ یہ سزا جذبۂ انتقام کے تحت نہیں، بلکہ بچے کی خیر خواہی کے لیے ہوتی ہے۔

دوسرا دائرہ حقوق العباد کا ہے۔ وہ اُمور جن کو انسانی تعلقات میں منع کر دیا گیا۔ یہ وہ اُمور ہیں، جن سے دوسرے انسان کا حق متاثر ہو، اس کو تکلیف پہنچے، اس کی عزت پامال ہو، لوگوں کا معاشی نقصان اور سیاسی استحکام متاثر ہو، سماجی بُنت خراب ہو۔ ان اُمور کو انسان اپنے نفس کے تابع ہو کر کرتا ہے، اس سے اس کی کوئی ذاتی غرض وابستہ ہوتی ہے، وہ غرض ذاتی ہو، اولاد کی ہو، خاندان کی ہو یا اپنے جتھے کی خاطر وہ یہ غلط کام کرتا ہے، اس سے معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے اور اللہ کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے قرآن نے حکم دیا: ”اے ایمان والو! اپنے نفس اور اپنے اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ“۔ (سورۃ التحریم: 6) ایک خطرناک اور چھپا ہوا انسان کا دشمن غرور و تکبر ہے۔ نیکی کا عجب بھی انسان کو راندہ درگاہ بنا دیتا ہے۔ ان سب امور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت یہ ہے کہ ان چیزوں کو چھوڑ دو جو تمھارے رب کو ناپسند ہیں۔ یہ دوسروں کو نقصان پہنچانا، ذلیل کرنا، تضحیک کرنا معاشرے کو بربادی کی طرف لے کے جانا، ظلم پسند ہونا، ظالموں کا حامی ہونا، اور کبر و غرور سب وہ کام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔ تو اس حدیث کی روشنی میں اللہ کی نافرمانی شخصی زندگی اور اجتماعی رویوں میں منفی سوچ اور عمل کو چھوڑنا ہجرت ہے جو بہت اَجر کا باعث ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

ملتِ حنیفی ابراہیمی کے پیروکار حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے محفوظ اور نفرت کرتے تھے۔ آپؓ مکہ کے قریب دیہات کے بادیہ نشین تھے اور ”اُم القُریٰ و مَن حولَها“ کی دعوت و انذار کے دائرۂ نبویؐ میں شامل تھے۔

نبوت کے چوتھے سال کے آغاز میں مکہ کا سفر کیا اور اسلام قبول کیا، جس کا تعارف وہ خود کرواتے ہیں کہ ہوش سنبھالتے ہی مَیں بتوں کی پرستش سے بیزار ہو گیا، کیوں کہ میرے ضمیر کی آواز تھی کہ یہ بت کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے، مَیں بت پرستوں کو گمراہ سمجھتا تھا۔ اسی دوران اہلِ کتاب کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ ہمارے نوشتوں میں ہے کہ: ”مکہ سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہوگا جو لوگوں کو بتوں کی عبادت سے منع کرے گا اور ایک معبودِ برحق کی پرستش کی دعوت دے گا اور اس کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل ہوگی“۔ یہ سن کر میں انتظار میں رہا کہ کب مجھے اس کے ظہور کی اطلاع ملے۔ چناں چہ جو شخص مکہ سے آتا، اُس سے مَیں تازہ حالات دریافت کرتا۔ ایک دن مکہ سے آنے والے شخص نے بتایا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو لوگوں کو بت پرستی سے منع کرتا ہے، توحیدِ الٰہی کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے عمدہ طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے دین کا داعی ہے۔ چناں چہ بعثتِ نبی ﷺ کی خبر پا کر مکہ آئے مشرکین کی دشمنی کے باعث علی الاعلان دعوتِ اسلام نہیں دیتے تھے، اس لیے خفیہ طور پر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے سوالات و جوابات کے بعد اسلام قبول کیا اور آپؐ سے عرض کی کہ: ”مَیں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا“، لیکن آپؐ نے فرمایا: ”ایسی حالت میں کہ جب ہر جانب سے میری مخالفت کے طوفان اُٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو؟ اس وقت تم وطن واپس جاؤ! میرے غلبے کے بعد پھر آجانا“۔ چناں چہ آپؓ اسلام قبول کر کے حسبِ ارشادِ نبویؐ اپنے وطن واپس لوٹ گئے اور برابر حالات معلوم کرتے رہے۔ اتفاقاً کچھ لوگ آپؐ کے یہاں آگئے۔ ان سے پوچھا: جو شخص مدینہ آیا، اس کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا: لوگ جوق در جوق اس کی طرف آرہے ہیں۔ اس کی قوم نے تو اس کو قتل کرنے کا تہیہ کیا تھا، مگر نہ کر سکی۔ اس خبر کے بعد وہ مدینہ روانہ ہو گئے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا۔ آپؐ نے فرمایا: ”میں نے تم کو پہچان لیا تھا۔ تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے“۔ پھر آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دینی تعلیمات سیکھیں اور مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ (مسند احمد، مسلم)

کتب احادیث میں آپؓ سے 48 روایات موجود ہیں۔ آپؓ نے فتح مکہ و غزوۂ طائف میں شرکت کی اور دینی و اجتماعی کاموں میں شریک رہے۔ معرکہ یرموک میں اُمرا میں سے تھے۔ آپؓ نے عہدِ عثمانی کے آخر میں شام کے شہر حمص میں وفات پائی۔

www.rahimia.org

ہائبرڈ نظام اور آئینی آمریت؟
پاکستان کا سیاسی مخمصہ

پاکستان اپنی سیاسی تاریخ کے اُس موڑ پر کھڑا ہے، جہاں الفاظ بدل جاتے ہیں، کردار بدل جاتے ہیں، مگر کہانی ویسی ہی رہتی ہے۔ کبھی سیاسی عدمِ استحکام کا رونا، کبھی جمہوری انحطاط کی شکایت، کبھی ہائبرڈ نظام کا شوشہ اور کبھی آمریت کا شور، مگر اصل سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ کیا ہم بہ طورِ قوم یہ طے کر چکے ہیں کہ ہم نے کیسا نظامِ حکمرانی اختیار کرنا ہے؟ یا ہم آج بھی اُسی دوراہے پر کھڑے ہیں، جہاں ہر نسل کھڑی ہوئی؟

پاکستان کی سیاسی فضا میں یہ دونوں اصطلاحات؛ ہائبرڈ نظام اور آئینی آمریت کسی فلسفیانہ بحث کا حصہ نہیں، بلکہ ہماری روزمرہ سیاست کا دھڑکتا ہوا جسمانی درد ہے۔ یہ درد کبھی بڑھتا ہے، کبھی دب جاتا ہے، مگر جاتا کبھی نہیں۔ کیوں کہ اس کا علاج نظام کی تبدیلی ہے، نظام کے تجربات نہیں۔

ہائبرڈ نظام کی سب سے بڑی خوبی یا شاید خامی یہ ہے کہ یہ مکمل جمہوریت بھی نہیں اور مکمل آمریت بھی نہیں۔ یہ نیم پکا کھانا ہے، جو نہ کھایا جا سکتا ہے، نہ پھینکا جا سکتا ہے۔ یہ وہ نظام ہے، جس میں ووٹ عوام سے لیتے ہیں، فیصلے کہیں اَور ہوتے ہیں، حکومت وزیراعظم کی ہوتی ہے، پالیسی کسی اَور کی ترجیح سے بنتی ہے۔ پارلیمنٹ ہوتی ہے، مگر بے دست و پا۔ کابینہ ہوتی ہے، مگر ہچکچاتی ہوئی۔ ہائبرڈ نظام کی سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ یہ جمہوریت کو کمزور نہیں کرتا، بلکہ بے معنی بنا دیتا ہے۔ اس میں جمہوری ادارے موجود رہتے ہیں، مگر اُن کی روح نکل جاتی ہے۔

پاکستان میں ہائبرڈ نظام کے بیج اُسی دن بو دیے گئے تھے، جب ریاستی ادارے اپنی آئینی حدود میں رہنے کے بجائے ''مصلحت'' کے نام پر سیاست کے میدان میں اُتر آئے۔ کبھی استحکام کے خیال سے، کبھی قومی مفاد کے نام پر، کبھی نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے لیے اور کبھی اندرونی کمزوریوں کے تدارُک کے بہانے۔ یوں ایک ایسا ''سیٹ اپ'' پروان چڑھا، جہاں اقتدار دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ عوامی اقتدار جو کاغذ پر درج ہے، اصل اقتدار، جسے تحریر میں نہیں، عمل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے اکثر سیاسی بحران ''وزیراعظم اور وزیراعظم کے اوپر والے وزیراعظم'' کے درمیان پیدا ہوا۔

آئینی آمریت وہ نظام ہے، جس میں ایک ہی سیاسی قوت، ایک ہی جماعت، یا ایک ہی فرد آئین کی آڑ میں پورا نظام اپنے تابع کر لیتا ہے۔ آئین کو منسوخ نہیں کیا جاتا، آئین کو ''استعمال'' کیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کو بند نہیں کیا جاتا، اُسے ''مطیع'' کر لیا جاتا ہے۔ اُسے ''ریاضی'' کا سبق پڑھا دیا جاتا ہے۔ الیکشن ہوتے ہیں، مگر ''نتائج واضح'' ہوتے ہیں۔ اس میں جمہوریت کا دروازہ بند نہیں کیا جاتا، بلکہ دروازہ کھلا رکھ کر اندر آنے والوں کے راستے اس طرح سجا دیے جاتے ہیں کہ ہر راہ گزر ایک ہی منزل کی طرف مڑ جائے۔ یہ نظام براہِ راست فوجی مداخلت سے بھی زیادہ خاموش، مگر زیادہ دیرپا ہوتا ہے، کیوں کہ یہ آئین کو بہ طورِ اوزار استعمال کرتا ہے۔

پاکستان میں اس طرزِ حکمرانی کے آثار ہم نے مختلف ادوار میں دیکھے۔ کبھی کسی ایک جماعت کی مطلق برتری کے ذریعے، کبھی اداروں کی ہم آہنگی کے نام پر طاقت کے غیر مرئی ارتکاز کے ذریعے اور کبھی ''اصلاحات'' کے پردے میں سیاسی یکسانیت کے ذریعے۔ آئینی آمریت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں جمہوریت کے بہ ظاہر تمام ستون موجود ہوتے ہیں، مگر ہر ستون صرف ایک ہی محور کے اردگرد گھوم رہا ہوتا ہے۔

پاکستان کے سیاسی بحران کی جڑیں اس بات میں پیوست ہیں کہ یہاں کبھی پاور شیئرنگ کا اُصول مضبوط نہیں ہو سکا۔ ہائبرڈ نظام ہو یا آئینی و غیر آئینی آمریت، سبھی میں ایک چیز مشترک ہے؛ طاقت کا خوف اور طاقت کا لالچ۔ سیاست دانوں کو خوف کہ اگر وہ مکمل طاقت لیں گے تو اُن پر بوجھ اور ملبہ ڈال دیا جائے گا۔ اور اداروں کو خوف کہ اگر سیاست دان طاقت ور ہوئے تو ''ریاست'' کمزور ہو جائے گی۔ عوام کو خوف کہ اگر قیادت بدلی تو شاید حالات مزید خراب ہو جائیں۔ سیاسی جماعتوں کو خوف کہ اصل طاقت کہیں اَور جمع نہ ہو جائے۔ اور سب کو لالچ کہ شاید اگلی بار کھیل میں اوپر کا ہاتھ اُن کا ہو۔ یوں پاکستان کا نظام کبھی جمہوری نہیں بن سکا۔ کبھی آمریت مکمل نہیں ہو سکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم دونوں کے درمیان معلق ایک سیاسی فضا میں اٹھہتر برس گزار چکے ہیں۔

جب دو ہاتھوں سے حکومت چلتی ہے تو دونوں ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈال دیتے ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی ہوا۔ حکومت ناکامی پر کہتی ہے کہ: ''فیصلے ہمارے نہیں''۔ طاقت ور ادارے کہتے ہیں: ''حکومت اپنی کارکردگی بہتر کرے''۔ عوام اُلجھن میں کہ: ''آخر ذمہ دار کون؟'' ہائبرڈ نظام میں جواب وہی ڈھنڈلا جاتی ہے، سیاست شطرنج کا کھیل بن جاتی ہے۔ جمہوریت رہنماؤں کا کھیل اور عوام محض تماشائی۔ آئینی آمریت جمہوری تنوع کو ایک خاموش موت دیتی ہے۔ ایک ہی بیانیہ، ایک ہی جماعت، ایک ہی سیاسی سمت، ایک ہی فیصلہ ساز، اختلاف کی موت، مکالمے کا خاتمہ اور سیاسی تنوع کا جنازہ۔ پاکستان جیسے کثیر القومیتی، کثیر اللسانی اور کثیر الثقافتی ملک میں یہ فارمولا کبھی دیرپا نتائج نہیں دے سکتا۔

ہمارا مسئلہ یہ نہیں کہ ہمیں ہائبرڈ نظام چاہیے، یا آئینی آمریت، یا خالص جمہوریت۔ ہمارے پاس آئین بھی ہے، ادارے بھی ہیں، عدالتی ڈھانچہ بھی ہے، انتخابی طریقہ بھی ہے پارلیمانی روایت بھی موجود ہے، مگر اس سب کے باوجود نظام چل نہیں سکا۔ کیوں؟ کیوں کہ نیتیں بدلتی رہیں، ترجیحات بدلتی رہیں اور طاقت کی جنگ جاری رہی۔ قومیں نظام سے نہیں، اُصولوں سے مضبوط ہوتی ہیں اور اُصول اقدار سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب تک نوآبادیاتی وِرثہ اور اُس کی چھوڑی ہوئی قدروں کو ہم دیس نکالا نہیں دے دیتے، یہ تجربات کا سفر جاری رہے گا اور عوامی خوش حالی ایک خواب رہے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اگر واقعی ایک مستحکم سیاسی ڈھانچہ چاہتے ہیں تو ہمیں شعوری طور پر پچھلے تین سو سالہ دور کا نتائج کی روشنی میں تجزیہ کرنا ہوگا اور اپنے لیے باوقار اور خودمختار قومی راستے کا تعین کرنا ہوگا۔ (انیس احمد سجاد، لاہور)

www.rahimia.org

افکارِ شاہ ولی اللہؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

''قلب'' سے متعلق ''مقامات''

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

(1۔ ہمتِ قلبی کی جمعیت)

''قلب'' سے متعلق ''مقامات'' میں سے سب سے پہلے ''الجَمع'' (دلی ہمت کا ایک جگہ جمع ہونا) ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آخرت کے معاملات ہی بندے کا اہم ترین مقصود ہوں اور وہ اُن کا خوب اہتمام کرے۔ اُس کے نزدیک دنیا کے معاملات کم اہم اور ثانوی درجے کے ہوں کہ وہ صرف آخرت تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔ اسی ''جمعیتِ قلبی'' کا نام صوفیا نے ''ارادہ'' رکھا ہے (اس لیے کہ ارادے کا مرکز ''قلب'' ہے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''جو شخص اپنے تمام ارادوں کو سمیٹ کر صرف اپنی (آخرت کو) ایک ارادہ بنالیتا ہے تو اللہ اس کے دنیا کے ارادوں میں اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے، اور جس شخص کو دنیا کے ارادے منتشر رکھیں تو پھر اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، حدیث:263)

مَیں کہتا ہوں کہ: اللہ کے جود وسخا کے دروازے کو کھٹکھٹانے میں انسان کے ارادے اور ہمتِ قلبی دُعا کی طرح بڑی خاصیت رکھتی ہے، بلکہ انسان کی ہمتِ قلبی دُعا کا مغز اور اُس کا خلاصہ ہے۔ جب انسان کی ہمتِ قلبی حق تبارک وتعالیٰ کی رضا کے کاموں کے لیے خالص اور یکسو ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام معاملات میں کافی ہوجاتا ہے۔

(ہمتِ قلبی کے نتائج؛ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت)

جب انسان کو ہمتِ قلبی کی جمعیت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کی بندگی پر ہمیشہ کی پابندی اختیار کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اُس کے دل میں اللہ کی محبت اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت پختہ تر ہوجاتی ہے۔ اس محبت سے ہماری مراد صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھے کہ وہ مالک الملک ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ سچے اور اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، بلکہ اس محبت سے مراد قلب پر ایسی حالت کا طاری ہونا ہے، جیسا کہ ایک پیاسے آدمی پر پانی کی طلب اور بھوکے پر کھانے کی طلب کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ اس قلبی محبت سے اُس کی عقل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بھر جائے اور اُس کی عظمتِ شان میں غور و فکر کرنے لگے۔ اور ایمان کا نور اُس کی عقل سے اُس کے قلب پر قطرے ٹپکائے۔ اور قلب اس نور کو اپنی جبلی قوت کے ساتھ پوری طرح قبول کرلے۔

(حُبِّ خاص؛ قلب کا مقام ہے)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں، اس نے ان کے ذریعے ایمان کی لذت وحلاوت کو پالیا: (1) جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ (2) جو شخص کسی سے محض اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہو۔ (3) اور جو شخص دوبارہ کافر بننے کو۔ اس کے بعد کہ اللہ نے اسے اس سے بچالیا۔ ایسی کراہیت کرے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث:21)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا: ''اے اللہ! مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں، اور مَیں اس شخص کی بھی تجھ سے محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اور ایسا عمل چاہتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے۔ اے اللہ! تُو اپنی محبت کو مجھے میری جان اور میرے گھر والوں سے زیادہ محبوب بنادے۔ اے اللہ! اپنی محبت کو ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ کردے''۔ (جامع ترمذی، حدیث:3490)

ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں، سوا میری اپنی جان کے''۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ''نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا) جب تک مَیں تمھیں تمھاری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''پھر واللہ! اب آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں''۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہاں، عمر! اب تیرا ایمان پورا ہوا''۔ (صحیح بخاری، حدیث:6632)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہ ہوگا، جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہوجائے''۔ (صحیح بخاری، حدیث:15)

مَیں کہتا ہوں کہ: ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے محبت کی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ پر یقین کی لذت کا غلبہ عقل پر، پھر قلب پر اور پھر نفس پر ہوجائے۔ یہاں تک کہ وہ قلب کی خواہشات؛ مثلاً اولاد، بیوی اور مال کی محبت وغیرہ کے قائم مقام بن جائے اور یہاں تک کہ نفس کی خواہشات؛ پیاسے کا ٹھنڈا پانی مانگنا وغیرہ کے قائم مقام بن جائے۔ جب دل میں اللہ اور اُس کے رسول کی ایسی محبت پیدا ہوجائے تو اسے ''حُبِّ خاص'' کہتے ہیں۔ اور یہ قلب کے مقامات میں سے شمار ہوتی ہے۔

(''حُبِّ خاص'' کی علامت)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو اللہ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے، اللہ اُس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث:1601)

مَیں کہتا ہوں کہ: نبی اکرم ﷺ نے مؤمن کی (1) عقل کا جنابِ حق تبارک وتعالیٰ کی طرف میلان (2) اور قلب کی ایسی طلب اور پیاس، جو بدن سے نکل کر ماورائے مادہ مقام کی ہو (3) اور نفس کی ایسی طلب کہ وہ طبیعت کی تنگیوں سے خلاصی پاکر قُدس کی فضاؤں کے ملاپ کی ہو۔ کہ جس اتصال اور باہمی ملاپ کے اوصاف بیان نہیں کیے جاسکتے۔ اپنے ربّ سے محبت کی سچائی کی علامت کے طور پر بیان کیا۔

(حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الاحسان، باب:4، المقامات والاحوال)

www.rahimia.org

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

سلطنتِ عثمانیہ کے ساتویں حکمران؛ فاتحِ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح

مراد ثانی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد ثانی حکمران بنے۔ مراد کی وفات کے وقت شہزادہ محمد ریاست ایدین میں تھے کہ والد کی وفات کی اطلاع ملی۔ شہزادہ محمد ایک سبک رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر ''ادرنہ'' پہنچے، جہاں والد کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ ''ادرنہ'' میں ہی آپ کی تخت نشینی کا فیصلہ ہوا۔

شہزادہ محمد کی تخت نشینی سے تین سال قبل بازنطینی سلطنت کے آخری فرماں رواں گیارہواں قسطنطین تخت پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے شہزادہ محمد کے اقتدار سنبھالتے ہی شہزادہ کو ناراض کرنے کی ایسی غلطی کی جو قسطنطنیہ کی فتح کا سبب بنی۔ ہوا یوں کہ سلطان بایزید یلدرم کا ایک پوتا قسطنطنیہ میں قید تھا۔ اس کے مصارف سلطنتِ عثمانیہ کی طرف سے ادا ہوتے تھے۔ قسطنطین نے اس رقم میں اضافے کا مطالبہ کر دیا اور مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں اس کو شہزادہ محمد کے مقابل کھڑا کرنے کی دھمکی دے دی۔ اس کو یہ غلط فہمی تھی کہ شہزادہ ناتجربہ کار ہے، میرے مطالبے کو ضرور پورا کرے گا۔ لیکن شہزادہ محمد اِکیس سال کی عمر میں ان اَوصاف کا حامل تھا، جو اس کے پیش روؤں میں تھے، یعنی: عزم و ارادے کی پختگی، ملکی تنظیم و حکمت اور فوجی قابلیت۔ اس نے بازنطینی سفیر کو۔ جو پیغام لے کر آیا تھا۔ نرمی اور حکمت سے جواب دے کر ٹال دیا، لیکن عثمانی سلطنت کے وزیراعظم خلیل پاشا نے قسطنطین کو اس احمقانہ مطالبے کے خطرات و مضمرات سے سفیر کے ذریعے آگاہ کیا اور یہ کہا کہ تم نے جو کرنا ہے کرو، لیکن یہ یاد رکھو کہ تمھاری سلطنت کے خاتمے کا وقت قریب آ چکا ہے۔

قسطنطنیہ کی اہمیت: بازنطینی سلطنت۔ جو کسی وقت اپنی قوت و وسعت کے لحاظ سے دنیا کی بہت بڑی سلطنت تھی۔ اب تباہی کے کنارے پہنچ چکی تھی۔ اس سلطنت کے تمام ایشیائی علاقوں پر عثمانیوں کا پہلے ہی قبضہ ہو چکا تھا، لیکن قسطنطنیہ کی اہمیت اپنی جگہ پر تھی۔ عثمانی حکمرانوں نے جس وقت یورپ کی سرزمین پر قدم رکھا تھا، اسی وقت سے اس شہر کو فتح کرنے کا عزم ان کے دلوں میں تھا۔ جوں جوں فتوحات کا دائرہ بڑھتا چلا گیا، اس شہر کو فتح کرنے کا ارادہ اَور مضبوط ہوتا گیا۔ عثمانی سلطنت میں اس کا عملی اظہار سلطان بایزید یلدرم کے زمانے میں ہوا۔ اس نے آبنائے فارسفورس کے مشرقی ساحل پر ایک مضبوط قلعہ اس لیے تعمیر کرایا تھا۔ اسی دوران قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کیا۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ تیموری حملے کی وجہ سے بایزید کو یہ محاصرہ اُٹھانا پڑا اور اس طرح کچھ وقت کے لیے قسطنطنیہ پھر سے محفوظ ہو گیا۔ اس کے بعد مراد ثانی اگرچہ قسطنطنیہ کے شاہ کے ساتھ آویزش نہیں چاہتا تھا، تاہم وہ یہ سمجھتا تھا کہ بادشاہ کی غداری اور لگاتار سازشوں کی وجہ سے سازشوں کے اس اڈے کو ختم کرنا ضروری ہے، تاکہ فتنے کا ہمیشہ کے لیے استیصال ہو جائے۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

ملکی معیشت ملکی معیشت ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

لُوٹ مار کی ایک اَور داستان

ہم بھی کمال قوم ہیں، بجلی اور گیس کے بلوں میں کی جانے والی لوٹ مار پر پڑے ہوئے پردوں کو ہٹانے کا کام سب نے پکڑا ہوا ہے۔ سوشل میڈیا ہو یا روزمرہ میل جول، زیرِ بحث یہ بل، ٹیکس یا بڑی بڑی کرپشن کی کہانیاں ہی ہوتی ہیں اور کچھ عرصے بعد کچھ نئی خبروں کا اضافہ اس سب میں دلچسپی زندہ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ یوں ہم سب اپنی ٹوٹی پھوٹی محنت جاری رکھتے ہیں، تاکہ ان وارداتوں کے ذریعے ہماری مقتدرہ غیر معمولی روانی سے اپنا کام جاری رکھے۔ آئی ایم ایف کی حالیہ رپورٹ کے مطابق اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ پاکستان میں کرپشن اتنی عام ہے کہ یہ قومی پیداوار کو چار سے پانچ فی صد سالانہ ترقی سے محروم کر رہی ہے۔ یہ بات جنوری 2023ء تا دسمبر 2024ء کے درمیان حاصل شدہ ڈیٹا کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ اس مدت کے دوران پاکستان دیوالیہ ہونے کے قریب رہا۔ اس کے علاوہ اور اس کے مالیاتی اداروں کے ساتھ ساتھ قانون سازی، عدلیہ اور انتظامیہ کے اداروں پر آئی ایم ایف کی کڑی تنقید رہی اور ہر قسط کی ادائیگی سے قبل ان کی کارکردگی پر طرح طرح کی شرائط رکھی جاتی رہیں اور کہا گیا کہ اس دفعہ معیشت کو ٹھیک کر کے ہی دم لیں گے۔ میڈیا ہر دفعہ دُہائی دیتا رہا کہ اس دفعہ شاید قسط جاری نہ کی جائے، کیوں کہ مذکورہ شرائط میں سے شاذ ہی عمل درآمد کیا جاتا تھا، لیکن ہر دفعہ ملکی سلامتی کے لیے اور کچھ بنیادی اعشاریوں میں بہ ظاہر بہتری کی وجہ سے قسط ادا کر دی جاتی تھی۔ گویا مقتدرہ کو قوم پر مزید قرض منڈھنے کا لائسنس مل جاتا تھا۔

چناں چہ اس مدت کے دوران 24 ہزار ارب روپے کا مزید قرض اس قوم پر لاد دیا گیا، مگر کس لیے؟ صرف ملک چلانے کے لیے، سود ادا کرنے کے لیے، تنخواہیں دینے کے لیے اور مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ وہی آئی ایم ایف اب بتا رہا ہے کہ جناب یہ سب کرپشن کی نذر ہو چکا۔ اب نصیحت فرما رہا ہے کہ بس کریں اور قوم کی بھی فکر کر لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئی ایم ایف اور یہ سب ملے ہوئے ہیں۔ ایک طرف اس نااہل اور کرپٹ مقتدرہ کو ہمارے نام پر قرض بھی دیتے رہتے ہیں اور دوسری طرف دہائی بھی دیتے رہتے ہیں، حال آں کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے سربراہ نے 2023ء میں ہی انھیں متنبہ کیا تھا کہ اس سیٹ اپ کو جو بھی قرض دیا جائے گا، وہ واپس نہیں کیا جائے گا، لیکن الیکشن میں دھاندلی کے حوالے سے یورپی یونین کی رپورٹ کے باوجود آئی ایم ایف ہے کہ انھیں مضبوط بھی کرتا رہتا ہے اور رُسوا بھی کرتا رہتا ہے۔

قوم کے باشعور طبقے کو اب اس واردات کے طریقے سے پردہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ اس کی مستقل روک تھام کے حوالے سے لائحۂ عمل بنانا ہوگا، بہ صورتِ دیگر کرپشن کا یہ ناسور ہمارے معاشرے کی مستقل تباہی کا سبب بن جائے گا۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

امریکا-وسطی ایشیائی ریاستیں؛ ''C5+1'' فورم

عالمی طاقتوں کی نئی بساط

دوسری جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں نے دنیا کو خوف و ہراس کے ایسے دائرے میں دھکیل دیا، جس نے عالمی سیاسی نقشے کی سمت ہمیشہ کے لیے بدل دی۔ جاپان کی شکست نے امریکی استبداد کے دروازے کھول دیے اور یورپ کی مفتوح اقوام کے تابع دار رویوں نے اس استبدادی قوت پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔ 1991ء میں سوویت یونین کا انہدام اس عمل کی آخری کڑی ثابت ہوا اور یوں امریکا بلاشرکتِ غیرے دنیا کی واحد سپر پاور کے منصب پر فائز ہوگیا۔ اب کوئی قوت ایسی باقی نہ تھی، جو اس بپھرے ہوئے ہاتھی کو روکنے کی سکت رکھتی۔ امریکا نے نہ صرف یورپ کو نیٹو کے ذریعے اپنے سیاسی و عسکری کھیل کا مہرہ بنایا، بلکہ جہاں ممکن ہوا، ریاستوں کو روند ڈالا۔ جو قومیں مزاحمت پر قائم رہیں، انھیں ''راستے کے پتھر'' سمجھ کر ریزہ ریزہ کردیا گیا۔ عالمی سطح پر کمزور ملکوں نے اپنے سماجی ڈھانچوں کو بچانے کی خاطر طاغوتی طاقت کے سامنے سجدہ ریز ہونا قبول کرلیا۔ دنیا میں کوئی بلاک یا اتحاد ایسا نہ رہا جو کمزور ریاستوں کی آواز بننے کا حوصلہ کرتا۔ اسی استعماری و توسیعی حکمتِ عملی کے تحت امریکا نے سابق سوویت خطے میں اپنے اثر و رسوخ کے فروغ کو معمول بنالیا۔

C5+1: ایک نئی سفارتی بساط: اسی مقصد کے لیے امریکا نے وسطی ایشیا کی پانچ ریاستوں— قازقستان، کرغزستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان— کے ساتھ اپنی مرضی کا ایک پلیٹ فارم قائم کیا، جسے "C5+1" کا نام دیا گیا۔ بہ ظاہر اسے کثیرالجہتی مکالمے اور تعاون کی کوشش کہا گیا، مگر حقیقت میں یہ واشنگٹن کے جیوپولیٹیکل مفادات کا حصہ تھا۔ اٹلانٹک کونسل، یو ایس ایڈ، سینٹرل ایشیا ٹریڈ فورم اور درجنوں نجی ادارے اسی پالیسی کا ہتھیار بنائے گئے۔ حلقۂ عوام کو سلامتی، تجارت، توانائی اور علاقائی استحکام کے خوش نما نعرے بیچے گئے، مگر در پردہ مقاصد؛ عدمِ استحکام، معاشی دباؤ اور سیاسی انحصار کو فروغ دینا تھے، کیوں کہ یہی ماحول امریکا کی عالمی بالادستی کے لیے موزوں ترین تھا۔

سربراہ اجلاس اور 2025ء کا نیا منظرنامہ: نومبر 2025ء میں پہلی بار پانچوں وسطی ایشیائی ممالک کے صدور کو واشنگٹن ڈی سی میں جمع کیا گیا۔ اجلاس کا عنوان تھا: ''منصفانہ تجارت، توانائی تعاون اور مشترکہ سلامتی کے چیلنجز کا حل'' مگر اس کے پسِ پردہ روس کے خلاف امریکی حکمتِ عملی کی نئی فصل بوئی گئی تھی۔ اصل کھیل نو سال پہلے شروع ہوا تھا، جب 2015ء میں قازقستان کے شہر 'الماتی' میں پانچویں سینٹرل ایشیا ٹریڈ فورم کے موقع پر یو ایس ایڈ نے اس پالیسی کا پہلا عملی قدم اٹھایا۔ اسی سال اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جان کیری نے وسطی ایشیائی وزرائے خارجہ سے ملاقات کرکے "C5+1" کی تجویز پیش کی۔ اگلے برس بشکیک میں اس کا پہلا اجلاس ہوا۔ یہ پلیٹ فارم روس اور چین کے بڑھتے ہوئے یوریشیائی اتحاد (EAEU) اور چین کے سلک روڈ اکنامک بیلٹ کی کامیابیوں کے مقابلے کے لیے بنایا گیا تھا۔ جان کیری کے دوروں کا مقصد سرمایہ کاری کے معاہدے کرنا نہیں تھا، اصل ہدف چین اور بھارت کے بڑھتے سفارتی اثرات کو زائل کرنا اور خطے میں امریکی موجودگی کو برقرار رکھنا تھا۔

روس، چین اور ایک بدلا ہوا کھیل: ان ہی برسوں میں عالمی طاقت کا توازن تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔ شام میں 2015ء میں روسی دفاعی نظام S-300 نے امریکی F-35 کے حملوں کو ناکام بنادیا، جس سے امریکی عسکری برتری کی ساکھ کو شدید دھچکا لگا۔ روس نے نہ صرف شام میں امریکی حملوں کو محدود کیا، بلکہ کئی مواقع پر مغربی دفاعی ٹیکنالوجی کو ناکارہ ثابت کیا۔ کریمیا کے 2014ء میں روس سے الحاق نے بھی مغرب کو لرزا دیا۔ مغربی طاقتوں نے فوری ردِعمل میں روس کو G-8 سے بے دخل کیا، مگر ہنری کسنجر جیسے تجربہ کار امریکی اصلاح کار نے خبردار کیا تھا کہ: ''روس سے جنگ نہ کرو؛ برفانی ریچھ لڑکر اور طاقت ور ہوتا ہے''۔ آج یہی حقیقت مغرب کے سامنے ہے۔ تین سالہ یوکرین جنگ نے مغربی عسکری اور صنعتی کمزوریوں کو بے نقاب کردیا ہے۔ اس کے باوجود مغربی قیادت اپنی شکستوں سے سبق سیکھنے کے بجائے مزید محاذ کھولنے پر مُصر دکھائی دیتی ہے۔ جن قوموں نے طویل عرصے تک عالمی بادشاہت کی حیثیت اختیار کررکھی ہو، اس منصب سے علاحدہ ہونے کا دُکھ، درد اور صدمہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ مفتوح اقوام کو اس ذلت اور رُسوائی کا بالآخر سامنا کرنا ہوتا ہے۔ یہی تاریخ کا سبق ہے، جسے مغرب اور اس کی معاون قوتیں سیکھنے سے گریزاں اور قاصر ہیں۔ ویسے بھی غالب قوتیں تکبر کا شکار ہونے کے باعث سوچنے اور سمجھنے کی قوت سے عاری ہوجاتی ہیں۔

C5+1- روس کے دہلیز پر نئی چنگاری: وسطی ایشیا میں ''C5+1'' کی توسیع روس کے گھر کے عین سامنے نئی چنگاری دِہکانے کے مترادف ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب روس عالمی طاقت کے منصب کے قریب تر ہے۔ امریکا اس پلیٹ فارم کے ذریعے خطے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہا ہے، مگر وہ روس کو کمزور تو شاید نہ کرسکے، البتہ اپنی سفارتی رُسوائی اور بے وقعتی میں مزید اضافہ ضرور کرتا جارہا ہے۔ امریکا جلد ہی روس کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کرنے جارہا ہے، جس کے نتیجے میں روس عالمی طاقت اور امریکا اپنے خطے تک محدود ہوجائے گا۔ یہ معاہدہ دو بنیادی نکات پر مشتمل ہوگا: روس کے فتح کردہ علاقوں کو تسلیم کیا جائے اور یوکرین کی نیٹو میں مستقل شمولیت کا نعرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ امریکا اور کوئی یورپی طاقت یوکرین کو کسی قسم کی عسکری امداد فراہم نہیں کرے گی۔ مزید یہ کہ یوکرین اپنی فوجی طاقت کو محدود رکھے گا۔ یوکرین کی شکست پورے مغرب کی شکست تصور کی جائے گی، کیوں کہ ابھی تک یورپی استعماری قوتوں نے ہی یوکرینی صدر کو ہتھیار ڈالنے سے باز رکھا ہوا تھا اور اپنی شہ پر ہتھیار ڈالنے سے گریزاں تھا۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

حسنہ فی الدنیا وفی الآخرہ کا دینی تصور

7رنومبر 2025ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے جامع مسجد قبا، مانسہرہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! دینِ اسلامؑ انسانیت کے لیے ایسی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے جس پر عمل کر کے دنیائے انسانیت اس دنیا میں بھی ترقی، کامیابی اور حسنہ حاصل کرتی ہے اور قرآنی تعلیمات اور دین کی تعلیمات پر عمل کر کے آخرت کی کامیابی اور ترقی بھی حاصل کرتی ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ایک عہد اور معاہدہ کرتا ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب اللہ کے ساتھ ایک معاہدہ کرنا ہے۔ اللہ کے ساتھ ایک عہد اور وعدہ کرنا ہے کہ اللہ نے انسانیت کی دنیا اور آخرت کی ترقی کا جو پیغام آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کیا ہے، وہ اس پیغام اور اس کے عملی نظام کو قائم کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے پر تیار ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان معاہدوں کے بغیر نہیں رہتا۔ ہر انسان - مسلمان ہو یا کافر - اس کا کسی نہ کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ، عہد، وعدہ اور تعلق ہوتا ہے۔ گھر میں مرد اور عورت کا شادی بیاہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔ بازار کے اندر خرید و فروخت کا معاہدہ ہوتا ہے۔ سوسائٹی میں ریاست سے وفاداری کا معاہدہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جنگلوں میں رہنے والا وحشی انسان بھی کسی نہ کسی معاہدے کے تحت معاملات کرتا ہے۔ پھر دنیا کے ممالک آپس میں مل کر ایک بین الاقوامی معاہدہ کرتے ہیں۔

معاہدات دنیا کے نظام کی حرارکی ہیں جو گھر، بازار، شہر سے لے کر بین الاقوامی نظام تک وجود میں آتی ہے۔ جسے ہم دنیا کی ترقی کہتے ہیں، وہ دراصل ان معاہدات کا خوش اسلوبی کے ساتھ وجود میں آنا ہے۔ جب ہم دنیا کی ترقی کی بات کرتے ہیں تو یہ گھر کے معاہدے سے لے کر بین الاقوامی معاہدے تک مختلف درجات ہیں۔ دنیا جتنی مہذب، ترقی یافتہ اور اعلیٰ درجے کی بنتی ہے، اتنے ہی بڑے معاہدے کے ساتھ جڑتی ہے۔

ایک مسلمان اور کافر میں فرق یہ ہے کہ کافر کی عقل و شعور، خاص طور پر آج کے اس دور میں، ان تمام سماجی معاہدات سے واقف بھی ہے اور اس کو اپنے اپنے سکول آف تھاٹ کے تحت وہ اس کو درست کرنے کی فکر بھی رکھتا ہے۔ اور مسلمان نہ صرف یہ کہ ان تمام معاہدات کی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے، بلکہ ایک اور بات ہے کہ وہ باقی معاہدات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ایک معاہدہ کرتا ہے، اس کو بھی مانتا ہے، اس کا بھی شکر ادا کرتا ہے، اس کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی کرتا ہے۔ وہ کل انسانیت، اقوامِ عالم اور وہ خود جس سپیس یعنی زمین پر اور جس ٹائم میں موجود ہے، زمان و مکان میں ہے، یہ زمان و مکان پیدا کرنے والے ایک اللہ وحدہ لاشریک کے اقرار کے ساتھ ساتھ اُس سے کیے ہوئے معاہدے کی پاسداری بھی کرتا ہے''۔

دنیا کی کامیابی کی بنیاد؛ معاہدات کی پاسداری

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

''بچے اپنے ماں باپ کی اطاعت کریں تو بچوں اور والدین کو فائدہ ہوتا ہے۔ ریاست کے شہری کی حیثیت سے آپ اپنے ذمہ داران کی بات مان کر ان کے ڈسپلن پر عمل کریں گے تو آپ کے شہر کا میئر، چیئرمین خوش ہوتا ہے۔ یہی حال قومی سطح کی حکومتوں کا ہے، جب آپ اُن سے کیے ہوئے ریاستی معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں تو حکمران پارٹیوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

لیکن اللہ ایسا الصمد اور بے نیاز ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ساری دنیا میری بات نہ مانے تو میری خدائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اور اگر ساری دنیا میری عبادت کرنے لگے اور میری بات ماننے لگے تو میری خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ جب دنیا میں ہر کسی کے ساتھ مفادات کی غرض سے معاہدہ ہوسکتا ہے تو ایسی بے نیاز اور بے غرض ذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کیوں نہیں ہوسکتا اور اُس کے کیے ہوئے معاہدات کی پاسداری کیوں نہیں ہوسکتی؟ جو بغیر کسی غرض، بغیر کسی ذاتی مفاد کے تمھیں پالتا بھی ہے، تمھارا گھر بھی بناتا ہے، شہر بھی بناتا ہے، ریاستوں اور قوموں کو بھی اُسی نے بنایا ہے۔ اُسی نے تمھیں ''انسانیت'' کی شناخت بھی دی ہے۔

انبیا علیہم السلام انسانوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ جیسے تم اپنی سماجی زندگی کے باقی تمام معاہدات کی پاسداری کرتے ہو، جبکہ ان معاہدات والے کسی نہ کسی طور پر غرض مند بھی ہوتے ہیں، تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ، جس نے تمہیں پیدا کیا، شناخت دی، سب کچھ کیا، اسی کے ساتھ ایک بین الاقوامی معاہدہ کیوں نہیں کرتے؟ اب وہ معاہدہ کیا ہے؟ کہ رب صرف ایک اسی کو ماننا ہے، لا الٰہ الا اللہ۔ اور اس دور میں رب کی طرف سے دنیا میں اتھارٹی رکھنے والی صرف ایک شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ معاہدہ اور عہد ہے، یہ ایک ٹائٹل جسے کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس ٹائٹل کے پیچھے ایک پوری دنیا آباد ہے۔ جب آپ نے یہ کلمہ پڑھ لیا، تو اب آپ کو اپنے ان تمام معاہدات کو پورا کرنے کے لیے ذمہ دار فرد بننا ہے۔ سب سے پہلے تو اللہ سے معاہدہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانا ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھو اور اس کے احکامات پورے کرو۔ روزہ رکھو، تاکہ تمھیں بھوک کا احساس ہو کہ جب آدمی بھوکا ہوتا ہے تو اس پر کیا گزرتی ہے۔ زکوٰۃ دو تاکہ تم دیگر انسانوں کی ضروریات کا لحاظ رکھو۔ صاحبِ استطاعت ہو تو اللہ کے گھر کی عبادت کے لیے حج کرنے کے لیے جاؤ، عمرے کے لیے جاؤ۔ ان تمام عبادات کے حوالے سے اللہ سے جو تم نے معاہدات کیے ہیں، انھیں پورا کرو۔ یہ عبادات بھی تمھارے فائدے کے لیے ہے، اللہ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے یہ عبادات ہیں، ایسے ہی دینِ اسلام کی دیگر تمام ہدایات اور معاہدات ہیں، ان کی پاسداری ضروری ہے''۔

www.rahimia.org

معاہدات پورے کرنے والے رجال اللہ کی روشن تاریخ

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ایمان والوں میں سے ایسے رِجال (جواں مرد) بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا'' (33-الاحزاب:23)۔ بہادر، دلیر، اپنے معاہدے کی پاسداری کرنے والے کو عربی میں ''رجال'' کہتے ہیں کہ یہ عورتوں کی طرح کمزور یا معاہدے کر کے توڑنے والے نہیں ہیں۔ وہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے پر سچائی کے ساتھ قائم ہیں۔ انہوں نے اپنا معاہدہ سچ کر دکھایا تھا۔ تاریخ نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی زندگی میں یا خلفائے راشدین کے دور میں صحابہ کرامؓ جہاں جہاں بھی پہنچے، اسی طرح بعد کی مسلمان خلافتوں کے زمانے میں علمائے ربانیین اور مجاہدین اُمت نے اللہ سے کیے ہوئے معاہدات کو سمجھ کر انھیں پورا کرنے کے لیے جان ہتھیلی پہ رکھ کر دنیا بھر میں پھیل گئے۔ صحابہ کرامؓ اس کے بعد مدینہ میں بیٹھے رہنے کے بجائے قیصر و کسریٰ کے خلاف ہمیشہ سرگرمِ عمل رہے۔

اس کی بنیاد پر ہند و پاک کے اس خطے کی نسلوں نے ہزار بارہ سو سال پہلے دین اسلام قبول کیا تھا اور اس پورے ہزار سالہ دور میں کتنے ہی لوگ ہیں جنھوں نے شہادتوں سے دین کو زندہ کیا، اور کتنے ہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اس عہد کو پورا کرنے کے لیے تعلیم و تربیت دی، حکومتیں قائم کیں، عدالتیں قائم کیں، انصاف قائم کیا، امن قائم کیا، اور یہاں کی قوموں کو سچا پکا مسلمان بنایا۔ مولانا سندھیؒ نے اس حوالے سے ایک جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جیسے عربوں نے دین اسلام کو اپنا قومی دین بنا لیا، ایسے ہی اس خطے کے بسنے والے لوگوں نے اس دین کو اپنا قومی دین بنا لیا''۔ اسلام کا نظامِ عبادات ان کے وجود کا حصہ ہے۔ آپ دیکھئے کہ اس پوری تاریخ میں خدا تعالیٰ سے کیے گئے معاہدات کو پورا کرنے کا عمل رہا ہے۔

پھر دینِ اسلام کی چودہ پندرہ سو سالہ تاریخ کے اس آخری زمانے کے شہیدین وہ ہیں جنھوں نے اس خطے میں قربانی دی تھی، یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ۔ ان کی شہادت کے ذریعے سے دین اسلام کی تعلیمات اس خطے میں زندہ ہوئیں۔ انسانیت دشمن قوتیں جو اس ریاست کو پامال کر رہی تھیں، ایسٹ انڈیا کمپنی اور ان کی آلہ کار رنجیت سنگھ کی حکومت جس نے اس خطے کو یرغمال بنایا، ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، انسانیت دشمنی کا کردار ادا کیا، ان کے مقابلے میں ان حضرات اور ان کے پورے لشکر نے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادتوں کی داستان رقم کی۔ ان حضرات کی شہادت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ سے معاہدہ کیا اور اُسے نبھایا۔ انسانیت کے لیے قومی نقطہ نظر سے تعلیم و تربیت کا نظام قائم کیا۔ آج بڑا المیہ یہ ہے کہ جن شہیدین کی قربانی سے اس خطے میں دین زندہ ہوا، ہم انہیں بھول چکے ہیں اور ان کے ساتھ جن ہزاروں شہدا نے قربانیاں دی، ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جاتا''۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی قومی تحریکِ آزادی

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک' قومی آزادی کی تحریک تھی، لیکن انگریز کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کو بنیاد بنا کر اس تحریک کو اسلامائز کرنے کا تصور دماغوں میں پیدا کر دیا گیا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیّد صاحبؒ کی تحریک ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ہے، اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی تحریک اس دھرتی سے جڑی ہوئی نہیں ہے اور اس کا قومی آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے، بس جہاد کا ایک خود ساختہ تصور پیدا کر دیا کہ مارو، قتل کرو، اور تشدد کرو، یہ جہاد ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سید احمد شہیدؒ کے لشکر کا توپچی غیر مسلم (سکھ) تھا۔ ان کے لشکر میں ہندو بھی شریک تھے۔ سید صاحبؒ کے مکاتیب چھپ چکے ہیں، جن میں آپؒ مہاراجہ گوالیار ہندو راؤ کے نام خط لکھتے ہیں کہ آؤ، اس خطے کے تمام باسی، ہندو، سکھ، مل کر ''بیگانگانِ بعید الوطن'' انگریز فرنگ کے خلاف آزادی کی جنگ لڑیں، اور آزادی کے بعد ہندو مسلمان بیٹھ کر فیصلہ کریں گے کہ اس ریاست کا نظم و نسق کیسے قائم کرنا ہے۔ جو مسلم اکثریتی علاقے ہیں، وہاں مسلمانوں کی ریاست ہوگی، جو ہندو اکثریتی ریاستیں ہیں، وہاں ان کی حکومت قائم ہوگی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیّد احمدؒ کی تحریک اس خطے کی آزادی کی ایک قومی تحریک تھی۔ اس تحریک کو ''وہابی'' پٹخ دے کر جہاد کا ایک خود ساختہ پر تشدد تصور پیدا کیا گیا، جس کے نتیجے میں ان کے نام پر آج تک تمام تشدد پھیلانے والی جہادی تحریکیں سید صاحب کو بدنام کر کے لیے چلائی گئیں، ان کی تحریک کا نام استعمال کر کے تشدد پسندی پھیلائی گئی، پچھلے 40 سال سے اس خطے میں 30، 40 لاکھ انسان قتل کروائے گئے، اور جہاد کا نام جعلی طور پر استعمال کیا گیا۔ افسوس کہ ''سیرت سید احمد شہید'' لکھنے والے اور سید احمد شہیدؒ کے نام پر کتابیں لکھنے والوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ''نقش حیات'' میں سیّد صاحبؒ کی قومی تحریک کی پوری تفصیلات لکھی ہیں، حضرت مدنیؒ وہ شخصیت ہیں، جن کی تحریریں انتہائی معتبر تصور کی جاتی ہیں، لیکن جن لوگوں نے نہ کبھی جہاد کیا، نہ سیاست کی، صرف قلم کے دھنی رہے، وہ سید صاحبؒ کی پوری تحریک کو مذہبی بنا کر پُر تشدد تحریک کا نمائندہ بنا دیتے ہیں۔

سیّد صاحبؒ کی تحریک کو صحیح تناظر میں سمجھنا ہمارے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ سید صاحبؒ کو قتل کرانے والوں کے ساتھ ہیں یا ان کی قربانیوں کو قبول کرنے والے ہیں؟ سیّد صاحبؒ نے اسلام کے لیے قربانی دی ہے، دین کے غلبے کی قربانی دی ہے، اللہ سے کیے ہوئے معاہدات کو پورا کیا ہے، ان کی شہادت نے دین زندہ کر دیا، جہاں جہاں سید صاحبؒ کا لشکر گزر، جن جن بستیوں میں ٹھہرا، ان بستیوں میں دین اسلام آج بھی محفوظ ہے، تو ان کی قربانی سے محفوظ ہے''۔

www.rahimia.org

حضرت مولانا شیخ عبدالمجید امجد سندھیؒ

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست میں سندھ دھرتی کے علما کثیر تعداد میں تھے۔ انھیں حضرات میں ایک نام سندھ کے معروف عالمِ دین حضرت مولانا شیخ عبدالمجید گلابانی سندھیؒ کا بھی ملتا ہے۔ مولانا شیخ عبدالمجید گلابانیؒ 19/جون 1924ء بروز جمعرات ضلع شکارپور کے ایک گاؤں عبدالحق (عبدو) چک میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ گرامی کا نام شیخ عبدالرحمٰن سندھی تھا۔ ان کے والد علاقے میں اپنی وضع داری اور علم دوستی کی وجہ سے معروف تھے۔ صغرسنی ہی میں آپؒ کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا تو آپؒ کی تربیت کی تمام تر ذمہ داری آپؒ کی والدۂ محترمہ نے کمال خوبی سے سرانجام دی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں رہ کر ہی حاصل کی۔ کچھ عرصہ 'جامی قبو' نزد 'رستم'، ضلع شکارپور کے مدرسے میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ بعد میں مزید تعلیم کے حصول کی غرض سے سکھر اور پھر سندھ کے قدیم مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی ضلع خیرپور میرس میں مولانا عبدالہادیؒ اور مولانا غلام قادرؒ سے تعلیم حاصل کی۔ منطق اور فلسفے کی مزید تعلیم کے لیے 'میرو خان'، ضلع لاڑکانہ (اب قمبر شہداد کوٹ) تشریف لے گئے، جہاں سندھ کے بڑے عالم مولانا خوش محمد میروخانیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اسی دورانیے میں مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی اور مدرسہ دارالسعادت گورو پہوڑ ضلع شکارپور میں ہر دو مقامات پر علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ صدر مدرّس تھے۔ یہیں آپؒ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ سے متعارف ہوئے اور اُن کے گرویدہ ہوگئے۔

تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوئے۔ سندھ بھر میں مختلف مدارس اور تعلیمی اداروں میں خدمات سرانجام دیں۔ آپؒ نے سانگھڑ سمیت سندھ کے کئی علاقوں میں بہ طور عربی استاد تعلیمی فرائض انجام دیے۔ آخر میں گورنمنٹ ہائی سکول کندھ کوٹ میں معلم رہے۔ ان کے ہم عصروں میں حضرت مولانا عزیز اللہ جروارؒ، سیّد خلیل احمد شاہؒ، مولانا دین محمد وفائیؒ، مولانا عبداللہ لغاریؒ، مولانا عبدالقادر لغاریؒ اور دیگر قابل ذکر ہیں۔

اس وقت تک ہندوستان میں ٹائپ رائٹر رواج پا چکا تھا، لیکن سندھی زبان میں ٹائپ رائٹر کی سہولت بہت مشکل تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ سندھی حروف کے لیے ٹائپ رائٹر کا ایک ماڈل تیار کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر مولانا موصوفؒ نے کوشش کی اور 'مصطفیٰ' کے نام سے سندھی ٹائپ رائٹر کا ماڈل تیار کیا۔ اس ماڈل کی ایک کاپی سندھ یونیورسٹی جام شورو کے اس وقت کے وائس چانسلر کو مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے ذریعے سے پہنچائی، جنھوں نے پھر جرمنی سے ''مصطفیٰ'' سندھی ٹائپ رائٹر کے سیٹ تیار کروائے۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ جب 1939ء میں ہندوستان واپس تشریف آئے اور پیر جھنڈو میں قیام فرما ہوئے تو مولانا عبدالمجید امجدؒ بھی پیر جھنڈو میں منتقل ہوگئے اور دن رات حضرت سندھیؒ کی خدمت میں صَرف کیے۔ خوش خط تھے اور تفسیرِ قرآنی لکھتے تھے۔ حضرت سندھیؒ ان کی تصانیف اور خطاطی سے بہت متاثر ہوئے، اسی لیے انھیں قرآنی تفسیریں لکھنے کا کام سونپا۔ حضرت سندھیؒ نے انھیں اپنی خود نوشت ''کابل میں سات سال'' بھی خوش خط انداز میں لکھنے کے لیے دی۔ حضرت سندھیؒ نے حیدرآباد میں جو خطبہ جمعیۃ طلبا کے اجلاس میں سندھیؒ زبان میں ارشاد فرمایا تھا، اس کا اُردو زبان میں ترجمہ بھی حضرت شیخ صاحبؒ ہی نے کیا تھا، جو بعد میں حضرت سندھی کے ''خطبات ومقالات'' کی زینت بنا۔ اس خطبے کے حاشیے میں آپؒ کا تعارف اس طرح درج ہے: ''شیخ الصدیق ابوسعید بن عبدالرحمٰن عبدالمجید سندھی''۔

پیر جھنڈو میں ولی اللّٰہی افکار کے فروغ کے لیے محمود نگر قائم کرنے کی تحریک میں امامِ انقلابؒ کے دیگر شاگردوں کے ساتھ ساتھ مولانا موصوفؒ بھی سرگرم تھے، بلکہ صفِ اوّل میں شامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت سندھیؒ نے انھیں فرمایا تھا کہ: ''جب یہاں ''محمود نگر'' قائم کیا جائے گا تو اس میں سب سے پہلا مکان آپؒ ہی کا ہوگا''۔

مولانا موصوفؒ، حضرت سندھیؒ کے اس قدر عقیدت مند ہوگئے کہ انھوں نے ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان ہی کی طرزِ زندگی کو اپنایا اور حضرت سندھیؒ کے عملی شاگرد بن گئے۔ انھوں نے بیماری کے دوران مولانا سندھیؒ کی بہت خدمت کی۔ حضرت سندھیؒ جب کراچی میں زیرِ علاج تھے تو ان دنوں حضرت شیخ صاحبؒ ہی دن رات ان کی خدمت میں رہے۔ مولانا موصوفؒ کو سندھی، اُردو، فارسی اور عربی زبانوں پر بڑی دسترس حاصل تھی، جس کی وجہ سے انھیں ''غیاث اللُّغات'' -یعنی: لغت کے ماہر- بھی کہا جاتا تھا۔ وہ مختلف علمی و ادبی حلقوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ ان کی قابلیت کا اعتراف محقق سیّد قادن شاہ بخاری نے بھی اپنی تحقیقی کتاب ''تمر فقیر جو کلام'' کے تعارف میں کیا ہے۔

شیخ صاحبؒ کا مولانا عبداللہ عابد سندھی (خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ) کے ساتھ بھی خصوصی قلبی تعلق تھا۔ امامِ عزیمت حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے دورۂ سندھ کے دوران کندھ کوٹ میں شیخ صاحبؒ کی ملاقات ہوئی اور سیمینار میں شرکت کے بعد ان کے تاثرات یہ تھے کہ: ''حضرت (شاہ سعید احمد) ہی امام سندھیؒ کے صحیح جانشین ہیں اور انھوں نے جانشینی کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ ان کے اندر امام سندھیؒ کی تڑپ موجود ہے۔ انھوں نے نوجوانوں کی ایک جماعت قائم کر کے امام سندھیؒ کی دیرینہ خواہش کو پورا کر دیا ہے''۔

حضرت مولانا شیخ عبدالمجید امجد سندھیؒ 4/رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ / 13/جنوری 1997ء کو 73 سال کی عمر میں کندھ کوٹ میں انتقال کر گئے۔ انھیں کندھ کوٹ شہر کے ''جمن شاہ قبرستان'' میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (اس مضمون کی تیاری میں حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھیؒ اور بالخصوص حضرت شیخ عبدالمجید امجد سندھیؒ کے صاحب زادے پروفیسر عبدالوہاب صاحب نے معلومات فراہم کیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین)

www.rahimia.org

تقریبِ رونمائی کتاب

دارُالعُلوم دیوبند

مؤرخہ 16/ نومبر 2025ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب قاسمیؒ کے معرکۃ الآرا مقالات پر مشتمل کتاب ''دارالعلوم دیوبند'' کی تقریبِ رونمائی منعقد ہوئی۔ اس کتاب کی ترتیب و تسہیل حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے فرمائی ہے۔ اس موقع پر علما، دانش وروں اور طلبا کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ تقریب کی نظامت مولانا ڈاکٹر محمد ناصر صاحب نے کی۔ تلاوتِ قرآنِ حکیم کی سعادت جناب قاری نعمان افسر نے حاصل کی، جب کہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ مولانا قاری محبوب الرحمٰن نے پیش کی۔ اس پُر وقار تقریب سے حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن اور حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے بالترتیب پُر اثر خطابات ارشاد فرمائے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن نے اپنے خطاب میں فرمایا: ''دارالعلوم دیوبند'' ایک معروف نام ہے، مگر آج اسے غلط طور پر ایک فرقے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ کتاب اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ دیوبند کسی فرقے کا نام نہیں''۔

انھوں نے کہا کہ: ''جب ہمارے خطے میں دینی فکر کو مٹانے کی کوشش کی گئی اور معاشی و سیاسی زوال آیا۔ جس طرح اندلس میں زوال رونما ہوا۔ تو ایسے دور میں یہاں کے علما نے دین کے تحفظ اور استحکام کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔ علما نے نہ صرف تعلیمی ادارہ قائم کیا، بلکہ اس فکر کو محفوظ کر کے اگلی نسلوں تک منتقل کیا۔ جب انگریز نے لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کو نافذ کیا تو اکابرینِ ولی اللّٰہی نے اپنی فکری روایت کو زندہ رکھنے کے لیے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جو محض عمارت نہیں، بلکہ دو عظیم شخصیات؛ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے نظریے اور فکر کا عملی مظہر تھا''۔

مفتی صاحب نے مزید فرمایا کہ: ''اس فکری تحریک کو دبانے کے لیے علی گڑھ کا ادارہ قائم کیا گیا، مگر دارالعلوم دیوبند نے اپنی فکری قوت اور دینی مزاج کے ذریعے اپنی شناخت اور کردار کو برقرار رکھا۔ اس ادارے نے جن عظیم شخصیات کو جنم دیا اور انھوں نے جو تاریخی کردار ادا کیا، اس کا مطالعہ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ فلسفہ، تفسیر، فقہ، تصوف اور سیاسی و معاشی نظاموں کے حوالے سے انھوں نے گراں قدر علمی و عملی خدمات انجام دیں اور ان کے نام تاریخ کے سنہری باب ہیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے براہِ راست حضرت شیخ الہندؒ سے تربیت و فیض حاصل کیا۔ زوال کے ادوار میں جس طرح بعض بزرگوں کی قبور پر ایسے گدی نشین بٹھا دیے جاتے ہیں، جن کا ان بزرگوں کی اصل روحانی وراثت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اسی طرح بعض لوگ فکرِ دیوبند کے نام لیوا بن کر سامنے آتے ہیں، حال آں کہ ان کا اصل نظریہ اور فکری بنیادوں سے کوئی حقیقی تعلق نہیں ہوتا۔ آج کے دور میں ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ' دیوبند کی حقیقی فکر اور اس کے علمی و فکری مزاج کا وارث ہے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اس ادارے سے اپنا مضبوط فکری تعلق قائم کریں اور مستند دینی فکر سے رہنمائی حاصل کریں''۔

ان کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ: ''حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے اپنی پوری زندگی دارالعلوم دیوبند میں گزاری۔ مہتمم کی حیثیت سے ادارے کے فضلا سے ان کا گہرا تعلق رہا اور دارالعلوم کے تمام انتظامی و علمی امور انھیں کے زیرِ نگرانی چلتے رہے۔ اسی عمیق تجربے اور براہِ راست مشاہدے کی بنیاد پر انھوں نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ دارالعلوم کن مقاصد کے تحت قائم ہوا؟ اس کے اہداف کیا تھے؟ اس کا طریقِ کار کیا تھا؟ اور ولی اللّٰہی جماعت کی اجتماعیت، اس کے فکری ڈھانچے اور اس کی عملی مہارت و صلاحیت کے کون سے تقاضے تھے، جنھیں پیشِ نظر رکھ کر یہ عظیم ادارہ وجود میں آیا۔

حضرت رائے پوری نے مزید فرمایا کہ: ''یہ کتاب حضرت قاری طیب صاحبؒ کے تین اہم مقالات پر مشتمل ہے۔ پہلے مقالے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بیان کردہ تعلیم کے آٹھ اُصول اور نظم و نسق کے آٹھ اصول تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ انھی اصولوں کی مزید توضیح و تشریح کے لیے قاری صاحبؒ سے متعدد سوالات کیے گئے، جن کے جواب میں انھوں نے مقالہ تحریر فرما دیا۔ دوسرے مقالے میں ہندوستان کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس فکری روایت کا سیاسی، معاشی اور سماجی پسِ منظر بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے مقالے میں دارالعلوم کے مسلک اور اس کے منہج کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس علمی مرکز کے علما کے لیے کس فکری راستے پر چلنا ضروری ہے اور ان کی عملی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں''۔

حضرت مدظلہ نے واضح کیا کہ: ''حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ہندوستان کے ہزار سالہ سیاسی، معاشی اور سماجی حالات کا جائزہ لے کر جو حکمتِ عملی مرتب کی تھی، اسے ''حکمتِ شاہ ولی اللہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کی اصل بنیاد' قرآنی تعلیمات، احادیثِ نبویہؐ، فقہ اور تصوف کی اساسیات پر قائم ہے۔ بعد ازاں 1835ء میں جب لارڈ میکالے نے ہندوستان میں ایسا نظامِ تعلیم نافذ کیا جس کا مقصد یہاں کے تمام مقامی علوم، تہذیبی اقدار اور فکری بنیادوں کو مٹا کر سامراجی نظام مسلط کرنا تھا، اسی طرح جیسے اندلس میں مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا، تو اس چیلنج کے مقابلے کے لیے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ''حکمتِ شاہ ولی اللہ'' کی بنیاد پر نئی حکمت ترتیب دی، جسے ''حکمتِ قاسمیہ'' کہا جاتا ہے۔ اسی حکمت کے نتیجے میں دارالعلوم دیوبند کے مرکز کے زیرِ اثر متعدد ادارے اور تحریکات وجود میں آئیں، جنھوں نے برصغیر کے فکری و دینی احیا میں بنیادی کردار ادا کیا، جن میں جمعیت الانصار، ثمرۃ التربیت اور نظارۃ المعارف القرآنیہ ہند جیسے ادارے شامل ہیں''۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

کتاب ''دارالعلوم دیوبند'' 1857ء سے 1947ء تک کے دور میں علمائے دیوبند کی جدوجہد اور طریقۂ تعلیم، خصوصاً حدیث وفقہ کی تدریس کے منہج کو نہایت وضاحت سے پیش کرتی ہے۔ اس زمانے میں علمی ذخیرہ زیادہ تر فارسی اور عربی زبانوں میں موجود تھا۔ حضرت قاسم نانوتویؒ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بنیادی کتب اور علوم کو اُردو زبان میں منتقل کیا، تاکہ عام طلبہ اور اہلِ علم کے لیے ان تک رسائی آسان ہو سکے۔

انگریزوں کے تسلط سے پہلے برصغیر کے مدارس اور تعلیمی ادارے حکومت کے زیرِ انتظام کام کرتے تھے، لیکن جب برطانوی حکومت نے پورا نظام سنبھالا تو اس نے اپنا نصابِ تعلیم نافذ کرنا شروع کر دیا، جس کا مقصد مقامی علمی روایت کو ختم کر کے سامراجی فکری غلبہ قائم کرنا تھا۔ ایسے نازک وقت میں حضرت نانوتویؒ نے حکومت سے کسی قسم کی مالی مدد لیے بغیر دارالعلوم کا نظام قائم کیا اور اسے کامیابی سے چلایا، جو ان کی حکمت، تدبر اور تنظیمی بصیرت کی روشن مثال ہے۔ 1947ء کے بعد ملک میں بالکل نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ سیاسی انتشار، پُرتشدد تحریکیں اور اسلام کے نام پر مختلف پارٹیاں سامنے آنے لگیں۔ اس دور میں دین کے غلبے کے لیے ''حکمتِ ولی اللّٰہیہ'' اور ''حکمتِ قاسمیہ'' کے تناظر میں جو حکمتِ عملی مرتب کی گئی، اسے ''حکمتِ سعیدیہ'' کہا جاتا ہے، جس نے بدلتے ہوئے حالات میں دینی رہنمائی کا راستہ متعین کیا''۔

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ کی دعا سے اس تقریب کا اختتام ہوا۔ بعد ازاں شرکا نے ''رحیمیہ بک شاپ'' کا وزٹ کیا، وہاں موجود علمی ذخیرے کا مشاہدہ کیا اور کتاب ''دارالعلوم دیوبند'' و دیگر کتب خریدیں۔

بقیہ: اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

عثمانی حکمران یہ سمجھتے تھے کہ قسطنطنیہ اگر عیسائیوں کے ان سازشی حکمرانوں کے تسلط میں رہا تو عثمانی سلطنت کے ایشیائی اور یورپی صوبوں کے درمیان تعلق محفوظ نہیں ہو سکتا۔ چناں چہ عثمانی سلطنت کے استحکام اور قسطنطنیہ کے بادشاہ کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس شہر کو فتح کرنا ناگزیر ہے۔ یہ صورتِ حال شہزادہ محمد ثانی جیسے حکمران کو اس مہم پر آمادہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: عالمی منظر نامہ

گویا دنیا میں طاقت کا جواب طاقت ہی ہوتا ہے۔ طاقت ور اور کمزور کا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا۔ معاہدہ ہمیشہ متوازن فریقین کے درمیاں ہوتا ہے۔ آج کی عالمی تشکیلِ نو نے انقلابی سوچ کے حاملین کے لیے غور وفکر کے لیے کافی سامان فراہم کیا ہے۔ خاص طور پر انقلابی پارٹی۔ جو چین میں کام کر رہی ہے۔ نے عہدِ حاضر میں اپنی ضرورت واہمیت و مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک وراثت والی زمین تین افراد مثلاً احسن، فرحان اور اکرم کے درمیان مشترک تھی۔ ان میں سے احسن اور اکرم وفات پا گئے۔ فرحان نے اپنا حصہ فروخت کرنا چاہا اور اپنے بھتیجوں کو بتایا کہ میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ خرید لیتے ہیں تو خرید لیں، ورنہ مَیں کسی اجنبی شخص کو فروخت کرتا ہوں۔ ان میں سے احسن کے بیٹوں نے فرحان کو کہا کہ ہم نہیں لیتے، بلکہ فرحان کو اجازت دے دی کہ ہمارا حصہ بھی فروخت کر لو۔ اور اکرم کے بیٹوں نے کہا کہ ہم اپنا حصہ فروخت بھی نہیں کرتے اور باقی دونوں حصوں کو بھی خریدنے یا نہ خریدنے میں ٹال مٹول سے کام لیا۔ چناں چہ فرحان نے اپنا حصہ اور احسن کے بیٹوں کا حصہ ان کی اجازت سے 2022ء میں ایک اجنبی شخص کو فروخت کیا اور اکرم کے بیٹوں کا حصہ باقی رہ گیا۔ ابھی تقریباً تین سال بعد 2025ء میں اکرم کے بیٹوں نے اعتراض کیا کہ یہ بیع ہمیں نامنظور ہے اور ہم اس میں شفعے کے حق دار ہیں۔ لیکن 1۔ زمین فروخت کرتے وقت اکرم کے بیٹوں کو مطلع کیا گیا تھا۔ 2۔ فرحان نے اپنا حصہ اور احسن کے بیٹوں کا حصہ فروخت کیا ہے اور اکرم کے بیٹوں کا حصہ اپنی جگہ باقی ہے۔ 3۔ جس شریک چچا (فرحان) نے زمین فروخت کی ہے، عمر رسیدہ ہونے کے باعث اُن کے حواس بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ 4۔ زمین فروخت ہونے کے وقت سے ابھی تک تقریباً تین سال گزر گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اکرم کے بیٹوں کے لیے شفعے کی دعوے داری کا حق باقی ہے؟ یا ان کا حق ساقط ہو گیا ہے؟

جواب صورت مسئولہ میں جب فرحان نے اپنا اور احسن کے بیٹوں کا حصہ فروخت کرنے سے پہلے اکرم کے بیٹوں کو مطلع کیا تھا اور انھوں نے فرخنگی کے علم ہونے کے باوجود شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا تو تاخیر کی وجہ سے شرعی طور پر حق شفعہ ساقط ہو چکا، لہٰذا اکرم کے بیٹوں کا حقِ شفعہ کا دعویٰ کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال میری شادی ہوئی تھی، لیکن طلاق ہوگئی تھی۔ اب دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بے روزگار ہوں اور دوسری شادی کے لیے میری استطاعت نہیں ہے اور والدین بھی میری دوسری شادی نہیں کر رہے۔ بہت پریشان ہوں۔ شریعت کی روشنی میں رہنمائی عنایت فرمائیں۔

جواب آپ کو چاہیے کہ اپنی مہارت اور صلاحیت کو مدنظر رکھ کر کاروبار یا ملازمت کی سعی کرتے رہیں۔ جب حق مہر، بیوی کا نفقہ وغیرہ برداشت کرنے کی قدرت حاصل ہو جائے تو شادی کر لینی چاہیے، البتہ اگر شادی سے قبل گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو حدیث مبارک میں اس کا علاج کثرت سے روزے رکھنا بتلایا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔